ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

رُومی کی چند تشبیہات

(۷)

جبر و قدر

مولوی معنوی کے نزدیک ابلیس مادہ پرستی اور جبریت کا نام ہے۔ جہاں کوئی فلسفی استدلالی زیرکی لگانے لگے وہ لازماً جبری ہو جاتا ہے۔ اکثر مادہ پرست حکمائے طبیعین میں یہ دونوں صفات پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ وہ مادۂ جامد کو تمام ہستی پر محیط سمجھتے ہیں اور انسانی روح اور تمام اقدارِ عالیہ کو مادہ ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ابلیس کا آدم کو محض مٹی کا بُت سمجھنا اور اس کے روحانی اور عرفانی ممکنات سے انکار ہر مادی فلسفے کی خصوصیت ہے اور حکیم مادی جبری بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں حقیقت آدم میں اختیار بھی داخل ہے۔ آدم سے کچھ لغزش ہوئی تو وہ نتیجۂ اختیار تھا اسی لئے وہ تائب اور پشیمان ہوا اور ربنا ظلمنا پکار اُٹھا۔ اس کے مقابلے میں ابلیس خدا سے حجت کرنے لگا کہ قادرِ مطلق تو تُو ہے سب اعمال اور ارادے بھی تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں اس لئے اگر میں گمراہ ہوا تو اس کا ذمہ وار تو خود ہے۔ 'بما اغویتنی' جبریت کا عقیدہ ہے۔ آدم و ابلیس کا قصہ انسان ہی کے مختلف میلانات کو متمثل کرتا ہے:

او پدر آموز اے دوشِ جبیں ۔۔۔ ربّنا گفت و ظلمنا پیش ازیں
نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت ۔۔۔ نے لوائے مکر و حیلت برفراخت
باز آں ابلیس بحث آغاز کرد ۔۔۔ کہ بدم من سُرخرو کردیم زرد
رنگ رنگ تست صبّاغم توئی ۔۔۔ اصل جُرم و آفت و داغم توئی
ہیں بخواں ربِّ بما اغویتنی ۔۔۔ تانگردی جبری و کژکم تنی

انسان کے اندر شیطنت اس درجہ سرایت کر گئی ہے کہ نفس کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے تو صاحب اختیار بن جاتا ہے لیکن عقل کے تقاضوں کے سامنے اپنے آپ کو مجبور قرار دیتا ہے سبے عقلی میں اضطرار کا بہانہ لگاتا ہے:

ہرچہ نفست خواست داری اختیار　　　ہرچہ عقلت خواست آری اضطرار

اس قسم کی منطقیانہ زیرکی ابلیس کا شیوہ ہے۔ آدم کی ماہیت عشق ہے۔ آدمی وہ ہے جو اختیار سے محبت کیشی برتے:

داند آں کو نیک بخت و محرم است　　　زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

عقل صالح اور عشق خالص درجۂ کمال میں ذات و صفاتِ الٰہیہ کے ادراک میں آئینۂ حیرت بن جاتے ہیں۔ افلاطون کہتا تھا کہ حکمت کا آغاز حیرت سے ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اس کا انجام بھی ایک دوسری قسم کی حیرت ہے:

زیرکی بفروش و حیرانی بخر　　　زیرکی ظن است و حیرانی نظر

یہ دو اشعار حکیم سنائی یا عطار کے ہیں:

کاملے گفت است می باید بسے　　　عقل و حکمت تا شود گویا کسے

باز باید عقل بے عدو شمار　　　تا شود خاموش یک حکمت شعار

علم و وحی

انسان کی بھلائی اس میں ہے کہ یا تو منطق بگھارنے کے بغیر خدا سے اس طرح چمٹ جائے جس طرح بچہ ماں کی گود میں پناہ لیتا ہے اور ماں کی محبت اور اس کے سہارے کے متعلق کوئی استدلال نہیں کرتا۔ یا یہ کہ سنی سنائی باتوں پر جنہیں نقلی علوم کہتے ہیں کم اعتبار کرے اور دین کے معاملے میں کسی ولی کی بدولت وہ کیفیت پیدا کرے کہ جو علم بذریعہ وحی دل پر نازل ہوتا ہے اس سے فیض یاب ہو۔ یعنی مقلد ہونے کی بجائے محقق ہو جائے۔ علم وحیٔ دل کے مقابلے میں علوم نقلی ایسے ہی ہیں جیسے پانی کے مقابلے میں تیمّم۔ چوں آب آمد تیمم برخاست۔

کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے　　　تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے

یا بعلمِ نقل کم بودے مُلی　　　علم وحیٔ دل ربودے از ولی

چوں تیمّم باوجودِ آب داں　　　علم نقلی بادمِ قطبِ زماں

دل کا تزکیہ کسی صاحب دل کی صحبت اور ارشاد اور زندہ مثال سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر عمر بھر فقہ و تفسیر و حدیث کی درس و تدریس میں مصروف رہ کر بھی انسان نقل و سند کا پرستار اور گرفتار ہو کر نقلی ہی رہتا ہے، اصل تک نہیں پہنچتا۔

اس مضمون میں عرفی کا ایک نہایت حکیمانہ شعر ہے:

قدم بروں منہ از جہل یا فلاطوں شو　　　اگر میانہ گزینی سراب و تشنہ لبی است

بداخلاق کا علم و مال بدکرداروں کا آلۂ ظلم

علم و فن اور مال و منصب فی نفسہ نہ اچھے ہیں نہ بُرے۔ اگر نکوکار کے قبضے میں ہوں تو خود اس کو اور یار و اغیار کو فیض پہنچائیں گے اور اگر بدگہر اور بدطینت کے ہاتھ آجائیں تو تباہی کا سامان ہیں۔ کمینہ آدمی علم و فن سے جاہ و اقتدار کا طالب ہوتا ہے اور دوسروں کو شدید نقصان پہنچانے کے ذرائع اس کے ہاتھ آجاتے ہیں۔ چوری کے تمام داؤ پیچ چور بھی جانتا ہے اور کوتوال بھی، اس علم میں دونوں برابر ہیں لیکن اس کے مصرف میں بُعد المشرقین ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ نبی کو تو خدا نے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا پھر اس نے کافروں کی گردنیں کیوں ماریں۔ تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ بے رحم اور مستِ فسق و فجور کافر کے ہاتھ میں تلوار ایسی ہے جیسے کہ کسی مجنوں یا بدمست حبشی کے ہاتھ میں۔ حفاظتِ دین میں جنگ، جو محض فی سبیل اللہ ہو اس لئے لازم ہو جاتی ہے کہ بدمستوں کو نہتا کر دیا جائے اور ان کو ساز و سامان سے محروم کیا جائے جسے وہ خلقِ خدا پر ظلم کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔

بدگہر را علم و فن آموختن — دادنِ تیغ است دستِ راہزن
تیغ دادن درکفِ زنگی مست — بہ کہ آید علم ناداں را بدست
علم و مال و منصب و جاہِ قراں — فتنہ آرد درکفِ بد گوہراں
پس غزا زیں فرض شد بر مومناں — تا ستانند از کفِ مجنوں سناں

جانِ او مجنوں تنش شمشیرِ او
وا ستاں شمشیر را زیں زشت خو

جاہل صاحبِ منصب جو درندگی کرتا ہے وہ سو شیر بھی نہیں کرسکتے:

آنچہ منصب می کند با جاہلاں — از فضیحت کے کند صد ارسلاں

سرداری اور حکمرانی جب جاہلوں کے ہاتھ آجائے تو عقلمندوں کو کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیئے۔ اگر ظالموں کے خلاف کچھ کر نہ سکیں تو خود ہی ان کے ظلم سے بچیں:

احمقاں سرور شدستند و ز بیم — عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم

کما قال السعدیؒ:

ناسزائے را چو بینی بختیار — عاقلاں تسلیم کردند اختیار
چوں نداری ناخنِ درندہ تیز — با بداں آں بہ کہ کم گیری ستیز

قیامت کا مفہوم

قیامت کی حقیقت خدا ہی کو معلوم ہے خدا نے کچھ تمثیلات کے ذریعے سے انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن ہر شخص اپنے فہم کے مطابق ہی اس کو سمجھتا ہے۔ مولانا نے کئی جگہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ قیامت انکشافِ حقیقت کا دوسرا نام ہے۔ اور وہ نفسِ انسانی ہی کی ایک کیفیت ہے۔ یہ کہ پہاڑ اور آسمان قیامت میں شق ہو جائینگے۔ اس کا مفہوم مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی:

والسّما انشقت آخر از چہ بود — از یکے چشمے کہ ناگاہ بر کشود
پس قیامت شو قیامت را ببیں — دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

جس شخص پر یہاں بھی حقیقت منکشف ہو گئی ہے وہ خود قیامت بن گیا ہے۔ مردِ عارف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خود اسرافیل وقت ہو گیا ہے قیامت سے پہلے ہی قیامت بپا کر کے دکھا دے۔ جو کوئی پوچھے کہ قیامت کب ہو گی یا کہاں ہے اس کو کہہ دو کہ میں ہی قیامت ہوں مجھے دیکھ لو۔ ہر نبی ایک قیامت ہوتا ہے وہ پہلے جہان کو تہ و بالا کر دیتا ہے روحانی مردوں کو زندہ کرتا ہے جزا و سزا کو سب پر آشکار کر دیتا ہے۔ اسی لئے رسولِ کریمؐ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر کہا کہ میں اور قیامت یوں متحد و متصل ہیں قیامت مجھ سے جدا نہیں۔ انا والساعۃ کھاتین۔

چوں تو اسرافیلِ وقتی راست خیز — رستخیزے ساز پیش از رستخیز
ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم — خویش بنما کہ قیامت نک منم
در نگر اے سائلِ محنت زدہ — زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قیامت کے اگر یہ معنی کسی کی سمجھ میں نہ آئیں تو اس سے بحث مت کرو۔ خاموش ہو جاؤ۔ جوابِ جاہلاں باشد خموشی:

ورنہ باشد اہلِ ایں ذکر و قنوت — پس جواب الاحمق اے سلطاں سکوت
وقت تنگ و خاطر و فہمِ عوام — تنگ تر صد رہ ز وقت است اے غلام
چوں جوابِ احمق آمد خامشی
ایں درازی در سخن چوں می کشی

عقل اور نفسِ امارہ

عقلِ حقیقت شناس اور نفسِ امارہ کی پیکار سے مثنوی کے اکثر حصے پُر ہیں اور اس بارے میں مولانا نے نادر

نکات پیدا کئے ہیں لیکن مجنوں اور اس کی اونٹنی کی مثال لاجواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجنوں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کی ملاقات کے لئے جا رہا تھا لیکن اونٹنی جو اپنا بچہ مجنوں کے گھر میں چھوڑ آئی تھی وہ بچے کی محبت کی وجہ سے آگے بڑھنا نہ چاہتی تھی جہاں مجنوں اپنی دُھن میں غافل ہوا اور مہار ڈھیلی ہوئی وہیں اونٹنی منزلِ لیلیٰ کی طرف گامزن ہونے کی بجائے اُلٹی گھر کی طرف پھری۔ پھر مجنوں ذرا ہشیار ہوا اور اس کو راہ پر ڈالا لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد وہی معاملہ ہوا کہ مجنوں کی غفلت کی وجہ سے ناقۂ مجنوں واپس۔ بغرضیکہ منزلِ مقصود پر پہنچنا محال ہو گیا۔ یہی حال عقل اور نفسِ امارہ کے جذبات کا ہے۔ عقل انسان کو راہِ راست پر لے جانا چاہتی ہے تاکہ انسان اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے لیکن ذرا سی غفلت سے طے کیا ہوا راستہ دوبارہ طے کرنا پڑتا ہے اور انسان کولہو کے بیل کی طرح وہیں چکر کھاتا رہتا ہے۔

ہمچوں مجنوں در تنازع با شتر — گہ شتر چربید و گہ مجنونِ حُر
میلِ مجنوں پیشِ آں لیلیٰ رواں — میلِ ناقہ پس پئے طفلش دواں
یکدم ار مجنوں زخود غافل شدے — ناقہ گردیدے و واپس آمدے
لیک ناقہ بس مراقب بود و چست — چوں بدیدے او مہارِ خویش سست
فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ — رو بپس کردے بکرہ بے درنگ
چوں بخود باز آمدے دیدے زجا — کو بسے پس رفتہ است بس فرسنگہا

جاں زعشقِ عرش اندر فاقۂ — تن زعشقِ خاربن چوں ناقۂ
جاں کشاید سوئے بالا بالہا — در زدہ تن بر زمیں چنگالہا

نفسِ امارہ سے خدا تک دو قدم کا راستہ ہے لیکن انسان موسیٰ کی قوم کی طرح برسوں بیابان میں سرگرداں گھومتا رہتا ہے۔ مجنوں نے آخر تنگ آکر اپنے آپ کو اس اونٹنی سے نیچے گرا دیا کہ اس قسم کی متضاد المیلان سواری سے تو پیدل چلنا بہتر ہے بلندی سے گرا تو اس کے پاؤں ٹوٹ گئے۔ اس پر بھی وہ منزلِ لیلیٰ کی طرف بڑھنے سے باز نہ آیا اور کہا کہ پاؤں نہیں تو میں گیند کی طرح لڑھکتا ہوا یہ راستہ طے کروں گا:

بہ وادئے کہ دراں خضر را عصا خفت است — بسینہ می سپرم راہ گرچہ پا خفت است (غالب)

مولانا فرماتے ہیں کہ عشقِ مولیٰ عشقِ لیلیٰ سے تو کم نہیں عشقِ مولیٰ میں بھی انسان بے دست و پا ہو کر بھی لڑھکتا چلا جائے:

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

دستارِ فقیہ

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تو خلوصِ عمل ہی کا تحفہ پیش کش کے لائق ہو سکتا ہے۔ یہاں دنیا میں بعض لوگ محض جبّہ و دستار اور ریشِ دراز سے فقیہ بنے بیٹھے ہیں حالانکہ اس لباسِ ظاہر کے اندر دین کی بصیرت اور خوبیٔ سیرت مفقود ہے۔ ایسے نمائشی مُلّا جب خدا کے ہاں پہنچیں گے تو ان کی زینتِ دستار کا راز اسی طرح طشت از بام ہو گا جس طرح اس مُلّا کا حال ہُوا جس نے رنگا رنگ کے چیتھڑے جمع کر کے ایک موٹی سی دستار بنا رکھی تھی۔ اندر تمام گودڑ بھرا تھا لیکن اوپر سے ایک گز بھر کا صاف اور عمدہ ٹکڑا اغلاف کی طرح چڑھا دیا تھا۔ اس دستارِ باوقار کے ساتھ وہ مُلّا کسی بڑی درس گاہ کی طرف روانہ ہُوا کہ وہاں پہنچوں گا تو کسی تقریر کے بغیر ہی میری دستار کو دیکھ کر میری توقیر ہو گی اور کوئی منعم وہاں موجود ہُوا تو اس سے معقول نذرانہ بھی مل جائے گا۔ راستے میں ایک کپڑے اُتارنے والا چور مل گیا اس نے دیکھا کہ دستار بہت شاندار ہے اگر اُتار کر فرار ہو جاؤں تو دس بارہ گز عمدہ کپڑے کی قیمت وصول ہو گی۔ چور دستار لے کر بھاگ رہا تھا اور مُلّا صاحب کہہ رہے تھے کہ بھائی کس دھوکے میں ہو ذرا اس کو کھول کر جھانک تو لو کہ کیا مال لے جا رہے ہو۔ چور نے جو دستار کے پیچ کھولے تو اس میں پُرانے چیتھڑے اور پُر لتّے نمدوں کے ٹکڑے بھرے تھے۔ چور نے کہا کہ او مکّار مولوی تو نے یہ کیا زرق و ریا کا پلندا سر پر اٹھا رکھا تھا۔ کم بخت تو بڑا مکار ہے تو اہلِ دین کو اور اہلِ دنیا کو بھی دھوکا دینا چاہتا تھا اور میرے جیسے چور کو بھی تو نے پشیمان و پریشان کیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چلو اب تھوڑا وعظ ہی کہہ دیں اور اس چور کو کہیں کہ تو اس واقعہ سے عبرت حاصل کر (خواہ مولوی صاحب کو خود کچھ سبق حاصل ہو یا نہ ہو) کہ دنیا داروں کے ریاکارانہ اعمال اور نمائشی دین داروں کے کارنامے خدا کے سامنے اسی قسم کے گودڑ بھرے پگڑ ثابت ہوں گے۔ دنیا کی زینتیں لوگوں سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اگر تم خدا کو فراموش کر کے ان کو حاصل کرو گے تو خدا کے سامنے جب حقیقت آشکارا ہو گی تو تمہاری زینتوں کے اندر گودڑ ہی گودڑ نکلے گا:

یک فقیہے ژندہ ہا برچیدہ بود   در عمامہ خویش در پیچیدہ بود
ژندہ ہا از جامہ ہا پیراستہ   ظاہرا دستار ازاں آراستہ
ظاہرِ دستار چوں حلّۂ بہشت   چوں منافق اندراں رسوا و زشت
در رہ تاریک مردِ جامہ کن   منتظر استادہ بود از بہرِ فن
در ربود او از سرش دستار را   پس رواں شد تا بسازد کار را
پس فقیہش بانگ برزد کاے پسر   باز کن دستار را آنگہ ببر

چور نے جو کھولا تو چیتھڑے ہی چیتھڑے تھے۔ چور بولا کہ او نابکار تو نے مکر کی دستار سے خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کیا اور مجھے کسی اچھی پگڑی اُتارنے سے باز رکھا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جاؤ اب اس دھوکے کی پگڑی سے تم کچھ نصیحت ہی حاصل کر لو:

گفت بنمودم دغل لیکن ترا — از نصیحت باز گفتم ماجرا
ہم چنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت — عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت
کون می گوید بیا من خوش پیم — واں فسادش گفت رو من لاشیم

جن حسینوں کے حُسن پر اب جان فدا کر رہے ہو اور دین و ایمان کو فروخت کر کے ہوس پوری کرنا چاہتے ہو چند سال گزرنے کے بعد دیکھنا کہ اس حسن کے ہلکے سے پردے کے اندر سے کیا گوڈر نکلتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ حسینہ کھوسٹ عجوزہ ہو جائے گی جیسے کھجور سوکھ کر چھوارا بن جاتی ہے جس پر جُھریاں ہی جھریاں ہوتی ہیں۔ یا سفیدی سے بس روئی کا گالا دکھائی دیگی:

گر تنِ سیمیں براں کردت شکار — بعد پیری بیں تنے چوں پنبہ زار

جس طرح اچھی سے اچھی غذائیں آخر میں فضلہ بن جاتی ہیں یہی انجام دنیا کی آرائشوں کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ معشوق کی عقل رُبا زلفیں آخر میں بڈھے گدھے کی دُم بن جاتی ہیں:

زلفِ جعدِ مشکبارِ عقلِ بر — آخر اوچوں دُم زشتِ پیرہ خر

سرسیّد کے مذہبی افکار (انگریزی)

مصنّفہ بشیر احمد ڈار

سید احمد خاں ایک ترقی پسند اور روشن خیال تحریک کے علمبردار تھے۔ اور اُنیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشری اور سیاسی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریح و توضیح کی اس کو اس کتاب میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے قیمت دس روپے۔

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور